جناب سید ہاشمی فرید آبادی

ایاز ادبیات میں

ایاز کا مولد نا معلوم۔[۱] مگر نسل ترکمانی، منشا شہر غزنی اور مدفن غالباً یہی لاہور ہے۔ اس کی حکومت و عروج کا زمانہ یقیناً یہیں گذرا۔ چاہے لاہور گھر کا آدمی سمجھ کر زیادہ قدر نہ کرے، مگر خدا نے اسے عالم گیر شہرت سے سرفراز کیا۔ مشرقی دنیا میں لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد کی طرح محمود و ایاز کا نام ہر لکھے پڑھے کی زبان پر چڑھا حُسن و جمال سے زیادہ آقا پرستی، خدمت گزاری کی مثال ایاز کو تسلیم کیا گیا۔ فارسی میں اس کے نام کی چھوٹی بڑی کئی نظمیں لکھی گئیں۔ ترکی سے بنگال و دکن تک یہ استعارہ ابھی تک رواں ہے۔ کچھ عرصہ ہوا پنڈت کیفی صاحب کا اردو ناول "نہتّا رانا" نظر سے گذرا تھا جس میں سلطان محمود ایک ہندو رانی کو مُنہ بولی بہن بناتا ہے اور اس کی دست گیری کے لئے بر وقت اپنے عزیز ترین سردار ایاز کو ہندوستان روانہ کرتا ہے۔ مگر ہم سمجھتے ہیں ایاز کے اوصافِ جمیل کا بلند تصوّر ہمارے بزرگ ترین صوفی شاعر شیخ فرید الدین عطار اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہما کا عطا کردہ ہے۔ بخلاف ان کے نظامی عروضی سمرقندی ایک حکایت میں ایاز کو محض امرد کی صورت میں سامنے لاتا اور در پردہ خود سلطان محمود کو طعن خفی سے چرکا دینا چاہتا ہے۔[۲] تاہم اس کی کتاب "چہار مقالہ" چھٹی صدی کے وسط یعنی "منطق الطیر" سے کچھ پہلے کی تصنیف ہے۔ پہلے اس کی کہانی کا خلاصہ سُن لیجئے۔

"محمود کو ایاز ترک سے جو عشق تھا، سب جانتے ہیں۔ ایاز نہایت حسین و جمیل، شیریں حرکات لڑکا تھا۔ محمود شرع سے

۱۔ زلالی خوانساری (متوفی ۱۰۲۴) نے ایک مثنوی "محمود و ایاز" کے نام سے لکھی ہے۔ اسے تاریخ اور شاعری دونوں اعتبار سے ہرزہ سرائی کی مثال کہہ سکتے ہیں۔ حاشیہ چڑھانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ غالباً اسی خرافات نے بعض اہلِ قلم کو بہکا دیا۔ زلالی نے ایاز کو کشمیر کے مسلمان بادشاہ کا بیٹا بتایا ہے۔ جو لڑکپن میں گم ہوا اور غلام بنا کے بیچا گیا۔ شاعر کو اتنی بھی خبر نہیں کہ اس زمانے تک کشمیر میں کوئی مسلمان بادشاہ نہ تھا۔ باقی سارا افسانہ اور بھی لغو ہے۔ بایں ہمہ ایک ترکی بچّے کے کشمیری ہونے کی یہ جعلی روایت اب تک چلے جاتی ہے کہ محمد اکرام صاحب "آبِ کوثر" (طبع ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۱۲) میں ایاز کو کشمیر الاصل بتاتے ہیں۔

۲۔ نظامی عروضی سمرقندی کی "چہار مقالہ" مرزا محمد قزوینی نے ۱۹۱۰ء میں اور انگریزی ترجمہ پروفیسر براؤن نے ۱۹۲۱ء میں لندن سے شائع کیا۔ براؤن عروضی کی نثر نگاری کی تعریف میں بہت مبالغہ کرتا ہے۔ مصنف نے سلطان محمود غازی پر چھپ چھپ کر حملے کئے ہیں۔ صاحب چہار مقالہ صدق مقال کا قائل نہیں ثابت ہوتا اور ایسے واقعات بھی جن میں خود شریک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تاریخی ہدایت کے خلاف پلٹے گئے ہیں۔

تجاوز کرنا نہ چاہتا تھا مگر ایک روز بے قرار ہو کر ایاز کو آغوش میں لے لیا۔ اس وقت (مصنف کے مبہم الفاظ میں) "محتسب آمنا و صدقنا سراز گریبان شرع برآورد و در برابر سلطان بایستاد و گفت ہاں محمود عشق را با فسق میآمیز" سلطان کو سخت ندامت ہوئی۔ پھر گویا اسی ندامت کے اظہار میں حکماً ایاز کی خوش نما زلفیں قطع کرا دیں۔ لیکن جب اس کی خوب صورتی میں فرق دیکھا، تو اور زیادہ اپنی اصلاحی حرکت پر پشیمان بلکہ اتنا سوگوار ہوا کہ خلوت گاہ سے باہر دربار میں نہ آیا۔ سرکاری کاموں کو معطل چھوڑ دیا۔ تب اہلِ دربار نے استاد عنصری کی منت سماجت کی اور صلے کی رشوتیں پیش کیں۔ اس نے یہ رباعی لکھ کر بادشاہ کو سنائی ؎

گر عیب سرِ زلفِ بت از کاستن است | چہ جائے بہ غم نشستن و خاستن است
جائے طرب و نشاط و مے خواستن است | کاراستن سرو ز پیراستن است

سلطان سن کر باغ باغ ہو گیا۔ حکم دیا شاعر کا منہ تین مرتبہ جواہرات سے بھر کر صلہ دیا جائے"۔ (چہار مقالہ صفحہ ۲۳)

ایاز کے اصل قدر شناس، روحانیات کے نباض حضرت عطارؒ گزرے ہیں۔ انہوں نے بڑی عمر میں کفار مغول کے ہاتھ سے شہادت کی سعادت حاصل کی۔ عجب نہیں کہ بچپن میں بڑے بوڑھوں سے جو محمود و ایاز کے دیکھنے والے تھے، ان دونوں کے ہم عصری قصے سنے ہوں۔ تذکرۃ الاولیاء (باب ہفتاد و ہفتم) میں بھی ضمناً لکھتے ہیں کہ سلطان محمود شیخ ابوالحسن خرقانیؒ سے ملاقات کو چلا تو پہلے شیخ کی آزمائش کے لئے اپنا سلطانی لباس ایاز کو پہنایا۔ اور خود غلاموں کے بھیس میں سامنے آیا۔ یہی روایت شیخ خرقانی کے تذکرے میں بعد کے اکثر مصنفین نے نقل کی ہے۔ لیکن ایاز کی سیرت و اخلاق کے بے بہا جوہر منطق الطیر کی چند پُر کیف حکایات میں چمکتے ہیں۔ جن کا مطالعہ صدیوں سے نفس کی جِلا، روح کی غذا رہا ہے:۔

(۱) حکایت شکستن ایاز جام لعل با مر سلطان۔

ایاز کا ساقی گری کرنا ہم کو مورخ بیہقی سے معلوم ہوا تھا۔ حضرت عطارؒ گویا اسی زمانے کا قصہ سناتے ہیں۔ کہ ایازؔ کے ہاتھ میں یاقوت سے مرصع نہایت قیمتی گلاس تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا پٹک دے! اس نے بے تامل زمین پر دے مارا کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ حاضرین نہایت حیران اور ناراض ہوئے کہ یہ تو نے کیا غضب کیا۔ ایسا بے بہا جام غارت کر دیا؟ مگر یہ قصہ اور ایاز کا جواب خود منطق الطیر کی زبانِ شیوا بیان میں سنئے:۔

بود جامے لعل در دستِ ایاس | قیمتِ او برتر از حد و قیاس
شاہ گفتا بر زمیں زن پیش خویش | بر زمینش زد کہ شد صد پارہ بیش
شور و خیل و سپہ اُفتاد از و | کانہمہ کس را بجاہ افتاد از و
ہر کسش مے گفت اے شوریدہ رائے | قیمت اُو را اندر نجو خدائے
تو چنیں بشکستی اورا شرم دار | عز تش بود ے وانگندیش خوار

شاہ زاں شورش تبسم می نمود | خویش را فارغ بردم می نمود
تلک گفت ایں جہاں افروز جام | از چہ بشکستی چنیں خار اے غلام؟
گفت فرماں بُردن ایں شہ مرا | برتر از ماہی بود تا مہ مرا
تا ن بسوئے جام افگندی نگاہ | من نیم جز بندۂ فرمان شاہ!

یہی نکتہ آموز روایت تھوڑے سے تصرف، تغیر کے ساتھ ہم آگے مولانا رومیؒ کی مثنوی میں پڑھیں گے۔

(۲) حکایت بادشاہی دادن محمودؔ ایاز را و بر تخت نشاندن۔

جہاں بادشاہی دینے تخت پر بٹھانے سے یہ مراد ہے کہ بادشاہ ایاز کو کسی ملک یا ولایت کا حاکم با اختیار بنانا چاہتا تھا چنانچہ ایسے غیر معمولی اعزاز و عطا پر جب" ایاز ہوشیار" زار زار رویا اور لوگوں نے تعریض کی تو اس نے جواب دیا کہ بادشاہ خدمت دیگر مجھے دور بھیج دیگا تو میں اس کی حضوری کی نعمت سے محروم ہو جاؤں گا۔ حالانکہ میری حقیقی مملکت وہی ہے!

حکایت کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:۔

"چوں ایاز خواص را محمود خواند | تاج دارش کرد و بر تختش نشاند"

اپنے رونے پر نکتہ چینوں کے طعن کا جواب وہ اس طرح دیتا ہے:۔

داد ایاز آں قوم را حالے جواب | گفت بس دور یداز راہِ صواب
نیستید آگہ کہ شاہِ انجمن | دور می اندازدم از خویشتن
می دہم مشغولیم تا من ز شاہ | باز مانم دور و مشغول سپاہ

مگر کہتا ہے کہ دنیا کی بادشاہی عوض میں دی جائے تو بھی مجھے اس کی حضوری سے لمحہ بھر کے لئے غائب ہونا گوارا نہیں:۔

گر بہ حکم من کند ملکِ جہاں | من نہ گردم غائب از وے یک زماں
ہر چہ گوید آں توانم کرد و بس | لیک از و دوری نجویم یک نفس
من چہ خواہم کرد ملک و مال او | ملکت من بس بود دیدارِ او

پھر مصنفؒ طالبانِ رضائے الٰہی کو سبق دیتے ہیں کہ:۔

"گر تو مرد طالبی و حق شناس | بندگی کردن بیاموز از ایاس"

(۳) عاشق شدن مغلیے بر ایاز و گفتار او با سلطان۔

مگر شاید سب سے دلچسپ حکایت وہ ہے جس میں ایک غریب، بازاری قسم کا آدمی ایاز پر عاشق ہو جاتا ہے۔ اور جب موقع پاتا ہے اس کے آگے پیچھے دوڑتا اور پروانہ وار گرد چکر لگاتا ہے۔ ایاز چوگان کھیلنے میدان میں آتا ہے، تو بھی ساتھ نہیں چھوڑتا ٹکٹکی باندھے اسے اس کے گھوڑے یا گیند ہی کو تکتا رہتا ہے۔ آخر اس کی محبت و شیفتگی کے چرچے ہوتے ہیں۔ اور سلطان کے کان تک خبر پہنچتی ہے

محمود عاشق ہے تو ایاز کو اپنے سامنے طلب کرتا اور کہتا ہے کہ ایاز میرا محبوب و مقرب ہے۔ کم بخت تو میری برابری کرنی چاہتا ہے؟ مفلس جواب دیتا ہے کہ عاشقی کے لئے دولت و بادشاہی کی شرط نہیں، دلی جذبہ درکار ہے۔ بلکہ عشق کرنا دراصل ہمیں جیسے دل سوختہ ہجران نصیب لوگوں کا کام ہے۔ بادشاہوں کو زیب نہیں دیتا۔ اس شوریدہ سر کی تقریر حضرت شیخ رح کے سراسر تاثیر اشعار میں اس طرح سماعت افروز ہوتی ہے:۔

رند گفتش گر گدائم گر نیم — عشق بازی راز تو کم تر نیم
عشق و افلاس اند در ہمسائگی — ہست این سرمایہ از بے مائگی
تو جہاں داری و دل افروختہ! — عشق را باید چو من دل سوختہ
ساز وصلت آنچہ تو داری و بس — صبر کن در درد ہجران یک نفس

آخر میں کمال کیا کہ اس بے نوا نے سلطان محمود کو للکارا کہ اے سلطان عشق کے معنی بتا۔ یا تو میری طرح جان فدا کر دے یا عشق کا دعویٰ نہ کر:۔

ور نواے محمود گو معنائے عشق — جان فشان، ورنہ مکن دعوائے عشق

یہ کہہ کر نگاہ بھر کے ایاز کو ایک دفعہ دیکھا اور زمین پر گر کے اسی وقت جان سے گذر گیا۔ سلطان کو بدا شرمندہ و غمگین کر گیا۔

(۴) سلطان محمود و ایاز در مقام اسرار یگانگی۔

اوپر کی حکایت نمبر ۳ میں عشق و محبت کی وہ منزل دکھائی ہے جس میں عاشق کسی قیمت پر معشوق سے جدا ہونا نہیں چاہتا لیکن ایاز کے متعلق منطق الطیر کی چوتھی اور آخری حکایت میں ایک بلند تر مقام کی تمثیل آتی ہے جہاں محبوب کے دامن لطف و التفات کے سائے میں طالب کی ہستی چھپ جاتی ہے۔ ناظرین یہ پہلو نگاہ میں رکھیں کہ ان دونوں موقعوں پر سلطان محمود، محبوب و مطلوب ہے۔ ایاز کو عاشق صادق کی صورت میں نمایاں کیا گیا ہے۔ مصنف رح حکایت کا آغاز اس اہتمام سے کرتے ہیں، کہ ایک خوشگوار دن لشکر کا جائزہ لیا جا رہا تھا۔ سلطان کے ہاتھی پر خواجہ احمد بن حسن وزیر سلطنت اور ایاز خواصی میں حاضر تھے۔ بادشاہ کو ایاز کا حسن انتظام دیکھ کر ایسی خوشی ہوئی کہ فرمایا:۔

پس زبان بکشود شاہِ نامور — با ایازِ خواص گفتا اے پسر
ہست چنداں پیل و لشکر زانِ من — من ازانِ تو و تو سلطانِ من

"یعنی اے فرزند ہر چند اتنے ہاتھی اور کثیر لشکر میری ملک ہیں مگر خود میں تیری ملکیت ہو گیا ہوں۔۔۔۔"

بادشاہ نے اتنی بڑی بات زبان سے کہی۔ بایں ہمہ ایاز آداب شکر نہ بجا لایا اور بالکل انجان بنا رہا۔ خواجہ احمد بن حسن کو نہایت غصہ آیا:۔

شد حسن آشفتہ و گفت اے غلام — می کند شاہیت چندیں احترام

تو چنیں استادۂ بے حرمتی　　پشت خم کمنی و کنی خدمتی

ایاز نے کہا: "اے خواجہ میری حقیقت کیا ہے کہ بادشاہ کے حضور میں ایک فریق بن کر آداب و تسلیم بجا لاؤں" پھر خلوت میں خود سلطان سے تصریحاً مزید حقیقت عرض کی:-

گفت ہر گہ کز کمال و لطف شاہ　　می کند سوئے من مسکیں نگاہ

در فروغ پرتو آں یک نظر　　محو می گردد وجودم سر بسر

ایسی حالت میں جبکہ اپنے وجود کا احساس ہی باقی نہیں رہتا، تسلیم و تحیات ادا کرنے کی کہاں گنجائش ہے:-

گر تو می بینی کسے را آں زماں　　من نیم ہم ہست او شاہِ جہاں

سایۂ گر گم شود در آفتاب　　زو کے آید خدمتے در ہیچ باب

ہست ایاز ت سایۂ در کوئے تو

گم شدہ در آفتاب رُوئے تو

شیخ فرید الدین عطارؒ نے ان قصوں میں ایاز کی جو حسین شبیہ دکھائی ہے بظاہر اس کا نقشِ ثانی مولانا رومیؒ اپنے اوراق پر اتارتے ہیں۔ ان کی مثنوی تمثیلات کی رنگینی اور کثرت کے باعث دیباچۂ رومی کا مثنیٰ بن گئی ہے لیکن واضح رہے کہ انبیاء، اولیاء، ملوک و امرا وغیرہ کی جو مثالیں وہ سناتے ہیں، من گھڑت یا محض خیالی نہیں بلکہ یہ ان کے زمانے کے زبان زد عام قصے ہیں، یا کتابی معدنوں سے انہیں نکال کر موزوں مقامات پر جڑا گیا ہے۔ سنائی غزنوی اور عطار کی تصانیف ان کے خاص ماخذوں میں ہیں خود فرماتے ہیں ع ما ازپس سنائی و عطار آمدیم۔

ہمارے موضوع "ایاز" کے صرف تین قصے مثنوی کے پانچویں، چھٹے دفتر میں ملے۔ مگر ان کا سلسلہ شاخ در شاخ دور تک پھیلا ہوا ہے۔ انہی میں طرح طرح کے روحانی معارف کی کونپلیں پھوٹتی ہیں، نفسی اسرار کے غنچے چٹکتے ہیں۔ لیکن ہم ان بلیغ و جوش انگیز اشعار سے صرف حرفِ مطلب چنیں گے اور نہایت اختصار سے بتانے کی کوشش کریں گے، کہ معارف رومیؒ ہمارے غزنوی ثم الاہوری ایاز کے اوصاف و شمائل کی نسبت کیا سبق دیتے ہیں:-

(۱) قصۂ ایاز و حجرہ داشتن او جہت چارق و پوستین و بدگمانی خواجہ تاشاں کہ در آنجا دفینہ ہا شد۔

یہ قصہ انسان کے دنیاوی جاہ و دولت پانے اور اپنی حقیقت بھول جانے کے ذکر میں تنبیہ و تمثیلاً لایا گیا ہے لکھتے ہیں کہ ایاز نے کمال دانش مندی سے اپنی پرانی پوستین اور چپل ایک حجرے میں محفوظ و مقفل کر دی تھی اور چھپ کر اس میں جاتا اور انہیں دیکھ کر اپنی ابتدائی غریبانہ زندگی کی یاد تازہ کر لیا کرتا تھا۔ چارق صحرائی چپل کو کہتے ہیں جس میں صرف تلا ہوتا ہے کہ تسمہ کے ذریعہ پاؤں سے باندھ لیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ محمود کے سلطانی دربار میں بار پانے سے پہلے ایاز کا بچپن بہت افلاس میں گذرا۔ اس وقت پھٹی پرانی پوستین اور ایسی گھٹیا جوتی پہنا کرتا تھا۔ سلطان کی مہر و نوازش سے وہ رتبہ بلند ملا کہ بڑے بڑے امیر حسد کرنے

لگے۔ انہی لوگوں کو بدگمانی ہوئی اور بادشاہ سے اُنہوں نے مخبری کی کہ ایاز نے ایک خاص حجرے میں بہت کچھ زر و جواہر چھپا کے رکھا ہے کسی دوسرے کو اس میں نہیں جانے دیتا۔ بادشاہ نے ایک امیر کو حکم دیا کہ حجرے کی تلاشی لے۔ وہاں جو کچھ ملے سب تیرا مال ہوگا۔ چنانچہ رات کو وہ اپنے آدمی، مشعلیں، کدال پھاوڑے لے کر پہنچا کہ ایاز کا گنج مخفی کھود کر اپنے قبضے میں کرے۔ ساتھی کہتے تھے، خدا جانے کس قدر بے حساب دولت جمع کی ہوگی :۔

آں یکے می گفت ہی چہ جائے زر — از عقیق و لعل گوی وز گہر

یعنی سونے کا کیا ذکر ہے، اس کے ہاں تو ہیرے جواہر، موتی بھرے ہونگے۔ کیونکہ: (یہاں مولانا انہی لوگوں کی زبان سے سلطان کی قدر و محبت اور ایاز کی غیر معمولی عزت و منزلت کا حال بیان کرتے ہیں)

خاص خاص مخزن سلطان وے است — بلکہ اکنوں شاہ را خود جاں وے است
چہ محل دارد بہ پیش آں عشیق — لعل و یاقوت و زمرد یا عقیق
شاہ را بروے نبودے بدگماں — تسخری می کرد بہر امتحاں
پاک میدانستش از غش و غل — باز از وہمش ہمی لرزید دل
کہ مبادا کیں بود، خستہ شود — من نخواہم کہ برو خجلت رود
ایں نہ کرد است او وگر کرد او، رواست — ہر چہ خواہد گو بکن، محبوب ماست
ہر چہ محبوبم کند، من کردہ ام — او منم، من او، چہ گر در پردہ ام

یعنی سلطان کا خزانہ ایاز کی تحویل میں ہے، بلکہ اب تو بادشاہ کی جان وہی ہو گیا ہے، اس کی نظر میں لعل و جواہر کی کیا وقعت ہوگی، بادشاہ اس سے بدگمانی نہیں کر سکتا۔ یہ تلاشی دلوانا محض ہنسی سے آزمائش کرنا ہوگا۔ وہ اسے ہر قسم کے دغل و فعل سے مبرّا جانتا ہے۔ ممکن ہے تلاشی کی اجازت دے کر پشیمان ہو کہ کہیں ایاز کبیدہ و شرمندہ نہ ہو جائے۔ سلطان دل میں کہتا ہوگا کہ اوّل تو وہ اس طرح چوری چھپے خزانہ جمع نہیں کر سکتا۔ لیکن کرے بھی تو کیا ہوا۔ میرا محبوب ہے اسے سب روا ہے۔ میرا محبوب جو کام کرے گویا میں کر رہا ہوں، کیونکہ وہ، میں اور میں، وہ ہوں۔ اگرچہ ظاہری فرق کا پردہ پڑا ہو، مجھ میں اور اس میں درحقیقت دوئی نہیں رہی ہے۔

پھر بھی مخبری کرنے والے ہوس کی تحریص، عناد کی تحریک سے حجرے کا قفل توڑ کے اندر گئے، دیکھا تو ایک پھٹی پوستین اور ٹوٹی چپل کے سوا وہاں کچھ نہ تھا۔ بہت حیران ہوئے، فرش کھودا، دیواروں میں چھید کئے، مگر کسی دفینے، خزینے کا نشان تک نہ پایا۔ شرم و خوف سے عرق عرق ہوگئے۔ سر جھکائے، ہاتھ باندھے سلطان کے حضور آئے۔ سب حال عرض اور اپنی بدگمانی اور چغل خوری کا اعتراف کیا۔ کہا اے بادشاہ ہم سے بڑی خطا ہوئی، آپ جو سزا دیں بجا ہے۔ معاف کر دیں، مجرم بخشی فرمائیں تو آپ کا شاہانہ لطف و انعام ہوگا۔ بادشاہ نے کہا تم نے ایاز کا گناہ کیا ہے، اگرچہ میں اسے اپنی ذات سے جُدا نہیں جانتا، مگر تم نے اس پر

الزام لگایا تھا:۔

گفت شہ نے ایں نوازِ وایں گداز　　　من نخواہم کرد ہست آں ایاز
ایں خیانت برتن و عرض وے است　　　زخم بر رگ ہائے آں نیکو پے است
گرچہ نفس واحدیم از روئے جاں　　　ظاہرا دورم ازیں سود و زیاں

بادشاہ نے ایاز سے تاکید کی کہ ان مجرموں کے بارے میں فیصلہ سناؤ۔ دیر نہ کرو۔ اس نے جواب میں کہا کہ فیصلہ کرنا آپ ہی کے اختیار میں ہے آفتاب موجود ہو تو ستارے فنا ہو جاتے ہیں۔ رہا ان لوگوں کا قصور۔ تو میں سمجھتا ہوں اگر میں اس طرح حجرہ مقفل نہ رکھتا اور چھپ کر وہاں نہ آیا جاتا تو انہیں بدگمانی کیوں ہوتی؟ میں اس بارے میں خود کو غلطی سے بری نہیں سمجھتا۔ انہیں لائق تعزیر کس طرح قرار دے سکتا ہوں؟

یہاں مثنوی شریف میں تعزیر و قصاص، پھر توبہ و انابت، تسلیم و توکّل، جہد و عمل، جبر و قدر کے حکیمانہ مباحث آجاتے ہیں کسی منکر خدا کو ایک حق پرست مصیبت و تکلیف کا وہ وقت یاد دلاتا ہے، جب عزیز و احباب میں کوئی کام نہیں آتا:۔

وقت درد و غم بجز حق ہیچ کس　　　خود نباشد مر ترا فریاد رس
پس ہماں درد و مرض را یاد دار　　　چوں ایاز از پوستیں گیر اعتبار
پوستیں آں حالتِ درد تو ہست　　　کہ گرفت است آں ایاز آں را بدست

بارہ چودہ سو شعر آگے چل کر، سلطان ایاز سے پوستین و چپّل کی اتنی محبّت کا سبب پوچھتا ہے:۔

اے ایاز ایں مہرہا بر چارقی　　　چیست آخر ہمچو بر بُت عاشقی؟
ہم چو مجنوں از رُخ لیلائے خویش　　　کردۂ تو چارقی را دین و کیش؟

ایاز کا جواب یہاں نیز دوبارہ سوال کے آگے درج نہیں، جس کا عنوان یہ دیا گیا ہے:۔ "فرمودن شاہ با ایاز بار دیگر کہ شرح چارق و پوستین را آشکارا بگو تا خواجہ تاشانت ازاں اشارت پند گیرند کہ الا ان الدّین النصیحۃ"۔

قصّے کے شروع میں ایاز کی پُرانی چپّل اور پوستین محفوظ رکھنے کی وجہ بیان ہو چکی ہے۔ کہ وہ اپنی سابقہ بے نوائی کو یاد کرکے اور دقتی دولت و جاہ کے غرور کی گردن نیچی رکھنی چاہتا تھا۔ مگر عنوان بالا کے نیچے صرف چند شعر اور سلطان کی تحسین پر بظاہر اس تمثیل کی تکمیل کر دی ہے:۔

"اے ایاز از تو غلامی نور یافت　　　نور از پستی سوئے گردوں شتافت
حسرتِ آزادگاں، شد بندگی　　　بندگی را خود تو دادی زندگی!

(۲) ایاز کی نسبت حضرت مولوی کا دوسرا بیان اس کے صدق و صبر، نفسانی جذبات پر قابو رکھنے کی مدح سے شروع ہوتا ہے:۔

عنوان۔ نواختن سلطان ایاز را (دفتر پنجم۔ ۱۰۸)

اے ایازِ پُر نیاز صدق کیش   صدقِ تو از بحر و از کوہ ست بیش

فرماتے ہیں کہ جذبۂ غضب اور شہواتِ نفسی کے غلبے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھنا ہی اصل مردانگی اور انسان کی فضیلت ہے۔ پھر چند تمثیلات کے بعد اسی موضوع کی طرف عود کیا ہے اور لکھا ہے کہ اے ایاز جو کام بڑے بڑے امیروں سے نہ بن پڑا، تیرے لئے بچّوں کا کھیل تھا، یہ تیری مردمی اور بزرگی ہے:۔

اے ایاز زہرۂ شیر و دبو گُشش   مردیٔ خرکم، فزوں مردیٔ ہش

آنچہ چندیں صدر او راکس نہ کرد   لعبِ کودک بود پیشت ابت مرد

تمثیلاً اس کی سچّی فرماں برداری کا یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ:۔

گفت روزے شاہ محمودِ غنی   آں شہِ غزنی و سلطانِ سنی

سلطان ایک دن دربار میں نہایت گراں بہا موتی لایا اور امتحاناً پہلے وزیرِ سلطنت، پھر حاجب، میرداد وغیرہ چند عمائد کو الگ الگ دکھا کر موتی کی قیمت دریافت کی۔ ہر ایک نے اعتراف کیا کہ اس دُرِ نایاب کی قیمت لاکھوں میں آنکی جائے گی۔ پھر جب سلطان فرمائش کرتا کہ اسے توڑ دو۔ تو ہر ایک از رہِ خیر خواہی کہتا تھا کہ میں بادشاہ کی اس متاعِ گراں مایہ کو کس طرح تلف کر سکتا ہوں۔ بادشاہ اظہارِ خوشنودی فرماتا۔ اور بعد ازاں علیحدہ دوسرے امیر سے یہی سوال جواب ہوتے تھے۔ آخر میں موتی کو ایاز کے ہاتھ پر رکھا اور پوچھا ایسے عجیب گوہرِ آب دار کا مول کیا ہوگا۔ عرض کیا میں جو کچھ کہہ سکتا ہوں، اس سے بھی زیادہ۔ کہا اچھا اسے توڑ کے ریزہ ریزہ کر دے۔ حسنِ اتفاق سے ایاز کی جیب میں پتھر موجود تھا۔ فوراً نکالا اور موتی کو پیس ڈالا۔ یہاں مولانا ایاز کی عقل و فراست کی داد دیتے ہیں:

از امتحانِ شاہ بود آگہ ایاز   از فریبِ شہ نشد گمرہ ایاز

خلعت و ادرار از راہش نبرد   کرد او گوہر ز امرِ شاہ خورد

اہلِ دربار میں شور مچ گیا:۔

کیں چہ بے باکست، واللہ کافر است   ہر کہ ایں پُر نور گوہر را شکست

اس وقت ایاز نے انہیں یہ جواب دیا:۔

گفت ایاز اے مہترانِ نامور   امرِ شہ بہتر بہ قیمت یا گہر

امرِ سلطان بہ بود پیشِ شما   یا خود آں نیکو گہر، بہرِ خدا؟

من ز شہ برمی نہ گردانم بصر   من چو مشرک روئے نارم در حجر

لیکن جب بادشاہ نے ان امیروں کو سخت سزا دینے کا قصد کیا، تو ایاز نے اسے عفو و احسانِ شاہانہ کے واسطے دئے اور بڑی التجاؤں کے بعد ان خطا کاروں کا قصور معاف کرایا۔

یہ قصہ شیخ فریدالدین عطار کی منقولہ حکایت نمبر ا کے مطابق ہے۔ صرف ان کا "جام لعل" یہاں "گوہر تابدار" بن کر چمکا۔ ورنہ بات ایک اور مقصد بھی یکساں ہے۔

(۴) "حسد بردن امیران بر ایاز و نمودن سلطان کیاست او را"

مگر مولاناؒ کی بیان کردہ تیسری اور آخری حکایت (دفتر ششم ص۱۹) عین ہمارے مفید مطلب ہے جس میں ہم ایاز کی کارکردگی کی لیاقت اور عملی فراست کا نمونہ دیکھ سکتے ہیں۔ دربار کے امیر بادشاہ سے اکثر شکایت کرتے تھے کہ آپ نے اکیلے ایاز کی تنخواہ (جاگیر وغیرہ) اتنی زیادہ مقرر کی ہے جو تیس امیروں کے برابر ہوتی ہے۔ کیا اس کے تیس دماغ ہیں، جو اس عنایت کا مستحق سمجھا گیا؟ ایک روز بادشاہ ان تیس امیروں کو لے کر شہر سے باہر نکلا۔ دور ایک قافلہ جا رہا تھا، بادشاہ نے ایک امیر کو بھیجا کہ جاؤ معلوم کرو یہ لوگ کہاں سے آ رہے ہیں؟ وہ گیا اور واپس آکر جواب دیا کہ شہر رے سے آئے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا۔ کہاں جاتے ہیں؟ اس کا جواب نہ دے سکا۔ دوسرے کو دوڑایا، وہ خبر لایا کہ یمن کی طرف جاتے ہیں۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ ان لوگوں کے پاس تجارت کا کیا کیا مال ہے؟ وہ نہ بتا سکا۔ تو پھر تیسرے کو بھیجا اس نے آکر جواب دیا کہ ہر قسم کا سامان ہے مگر بیشتر شہر رے کے پیالے لے کر چلے ہیں۔ جب استفسار کیا کہ رے سے کب چلے تھے تو وہ بھی رہ گیا۔ غرض اسی طرح ایک ایک جاتا اور ایک ہی بات معلوم کرکے چلا آتا تھا۔ تب بادشاہ نے ان سب سے اس طرح خطاب کیا:

گفت امیراں را کہ من روز جدا — امتحان کردم ایاز خویش را
کہ بپرس ایں کارواں را کز کجاست — او برفت و جملہ را پرسید راست
بے وصیت بے اشارت یک بیک — حال شاں دریافت بے ریبے و شک
ہر چہ ایں سی میر اندر سی مقام — کشف شد زو آں بیکدم شد تمام

اب تو وہ سب بہت قائل اور شرمندہ ہوئے۔ مگر عذر یہ کیا کہ اس میں ایاز کی اپنی محنت و قابلیت کا دخل نہیں، خدا داد تقدیری قسم کی باتیں ہیں:

قسمت حق است مہ را روئے نغز — دادۂ بخت است گل را بوئے نغز
بلکہ سلطاں چوں عنایت می کند — از تفاخر خیمہ بر مہ می زند

مولانا اس جبری عقیدے کی تردید کرتے ہیں اور آدمی کے افعال کا اسی کے نفس کو ذمہ وار گردانتے ہیں۔ سلطان کے ان الفاظ پر حکایت ختم ہوتی ہے:

گفت سلطاں بلکہ آنچہ از نفس زاد — ریع تقصیر است و دخل اجتہاد
ورنہ آدم کے بگفتے با خدا — ربّنا انا ظلمنا نفسنا!